جانے کیسی یاد کا پتھر بیتے دنوں سے آیا تھا
شیش محل خوابوں کے سارے پل میں چکنا چور ہوئے
پاس پڑوس کے لوگ بھی تم کو پہچانیں تو بات بھی ہے
جگ بیتی لکھ لکھ صفی جی یوں تو بہت مشہور ہوئے

اُمِّ کاشان

اسرار ماموں

◆

ابنِ صفی کو مرحوم لکھتے ہوئے کلیجہ مُنہ کو آتا ہے جبکہ ایسا ہونا نہیں چاہیئے کیونکہ لغوی اعتبار سے مرحوم کے معنی ہیں جس پر اللہ کی رحمت کی گئی یا جس پر اللہ کی رحمت ہوئی۔ ابنِ صفی جب تک زندہ رہے، اُن پر اللہ کی رحمت رہی اور مرنے کے بعد تو اُنھیں مرحوم ہونا ہی تھا کہ زندگی کے مصائب و آلام، تفکّرات اور امتحان سے چھوٹ گئے۔

میں، ابنِ صفی کو ابنِ صفی سے پہلے، اسرار ماموں کے نام سے جانتی تھی۔ وہ میری امّی کے چچازاد بھائی تھے اور امّی کو حاجرہ باجی کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے۔ جب تک امّی بقیدِ حیات رہیں، وہ مجھے اپنے ہمراہ اسرار ماموں کے ہاں لے جاتی رہیں اور اسرار ماموں

بھی ہمارے ہاں آجایا کرتے تھے مگر امّی کے انتقال کے بعد یہ آمد و رفت صرف خاندانی تقاریب میں ملاقات کی حد تک محدود ہو کر رہ گئی۔

جب پہلی بار مجھے یہ معلوم ہوا کہ اسرار ماموں، ابنِ صفی ہیں تو مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ گھر میں اُن کے ناول پڑھے تھے... اور ان ناولوں کی مدد سے ابنِ صفی کی شخصیت کا جو خاکہ میرے ذہن میں بنا تھا، وہ ایک بہت ہی سنجیدہ اور بھاری بھرکم شخصیت کا تھا۔ مگر اس اظہار کے بعد کہ وہی ابنِ صفی ہیں، مجھے اُن کی شخصیت میں کرنل فریدی کا پَرتو نظر آیا تو دوسری طرف کیپٹن حمید کا سا... ہنس مکھ شخص بھی۔ وہ اپنی ذات میں اگر ایک ذمّے دار کرائم رپورٹر نور تھے تو دوسری طرف بچّوں کی محفل میں بچّہ بن جانے والے عمران بھی۔ اُن کی شخصیت ایک تراشے ہوئے پہلو دار ہیرے کی سی تھی۔

ابنِ صفی ایک شاعر اور ناول نگار کی حیثیت سے تو پہچانے گئے مگر جب اُن کی شخصیت پر تحقیقی کام ہوگا تو لوگوں کو یہ جان کر بڑی حیرت ہوگی کہ وہ ایک اچھے ماہرِ نفسیات اور سائنس داں بھی تھے اور ان سب کے ساتھ ساتھ وہ ایک اچھے اور مخلص انسان بھی تھے۔

۶۵ء یا ۶۶ء کی بات ہے، اُن دنوں ہمارا چھوٹا سا کنبہ معاشی بحران کا شکار تھا۔ پاپا کی ہومیوپیتھک پریکٹس برائے نام چل رہی تھی۔ اُنھوں نے رات کی شفٹ میں ایک مقامی فیکٹری میں ملازمت اختیار کر لی اور ناتجربے کاری کی بنا پر اُن کا ایک ہاتھ مشین کی زد میں آکر کچلا گیا۔ امّی پر دہری ذمّے داری آن پڑی یعنی گھرداری کے ساتھ ساتھ فکرِ معاش بھی تھی۔ وہ بہت اچھی خیاط تھیں۔ فیشن... اور ڈیزائن ایجاد کرنے میں اپنا جواب آپ تھیں۔ سو اُنھوں نے مشین سنبھال لی۔ اُنہی دنوں اسرار ماموں ملنے آئے۔ اُنھیں حادثے کا علم ہوا تو اظہارِ افسوس کیا... پھر اُن کی پُرخلوص اور حساس طبیعت نے ہمارے گھر کے مسائل کو بھانپ لیا۔ بڑی کوشش کی کہ حاجرہ باجی یا بھائی صاحب اُن سے اعانت قبول کر لیں مگر دونوں کی غیور فطرت آڑے آئی اور اُنھوں نے بڑی خوبصورتی سے اس طرح انکار کر دیا کہ اسرار ماموں کو بُرا نہ لگے۔

اس بات کے ہفتے بھر بعد اسرار ماموں دوبارہ جب ملنے آئے تو اُن کے ہاتھوں میں ڈھیر ساری کتابوں کا ایک گٹھر تھا۔ یہ ساری اُن کی اپنی کتابیں تھیں جو اُنھوں نے یہ کہہ کر مجھے تھما دیں کہ لو، بیٹا! ماموں کی طرف سے تمہارے لیے ایک تحفہ۔

میں کتابیں لے کر بہت خوش ہوئی... پھر بعد میں یہی کتابیں محلّے میں ایک آنہ یومیہ کرائے پر چلنے لگیں۔ اس کرائے سے میرے تعلیمی اخراجات بخیر و خوبی پورے ہو جاتے۔ اُس وقت تو یہ بات سمجھ میں نہ آئی مگر آج سوچتی ہوں کہ اسرار ماموں نے انسانی نفسیات کو سمجھتے ہوئے اور امّی پاپا کے جذبۂ خودداری کو ٹھیس پہنچائے بغیر... کیسی خوبصورتی سے ہماری مدد کی۔ اُن کا تحفہ ہمارے لیے معاشی آسانی کا سبب بن گیا۔

یہ سلسلہ میری میٹرک کی تعلیم تک جاری رہا۔ جس سال مجھے میٹرک کا امتحان دینا تھا، اُسی سال میری امّی کا انتقال ہو گیا۔ تب بھی تمام عزیز و اقارب کے مقابلے میں اسرار ماموں ہی نے مجھے تسلی و تشفی دی اور ڈھارس بندھائی۔ امّی کے انتقال کے بعد اُن کی آمد و رفت ہمارے گھر میں کم ہو گئی مگر جب کبھی کسی خاندانی تقریب میں شرکت کرتی تو اُن سے ضرور ملاقات ہوتی۔ اُنھوں نے میرے شوہر کو بھی بڑی عزّت اور توقیر سے نوازا۔ اپنے بچّوں سے دُلھا بھائی کہہ کر تعارف کرایا اور پھر جب ملتے تو اُنھیں دیر تک اپنے پاس بٹھلاتے۔

یادوں کے حوالے سے ایک واقعہ میرے ذہن میں اُبھر رہا ہے جس کا تعلق ابنِ صفی کے بچپن سے ہے اور اس کی راوی میری امّی تھیں۔ ہُوا یُوں کہ ایک دن میں نے باتوں ہی باتوں میں امّی سے پوچھا۔ "امّی... امّی! یہ ماموں ہر مہینے اتنا بڑا ناول کیسے لکھ لیتے ہیں؟"

اس پر امّی نے کہا۔ "بیٹی! یہ ہمارے، تمہارے اور دوسرے لوگوں کے لیے تو واقعی بہت مشکل کام ہے مگر اسرار کے لیے یہ کوئی مشکل کام نہیں اور جاسُوس تو وہ بچپن کا ہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے، یہ کوئی اُس وقت کی بات ہے جب اسرار ساتویں یا آٹھویں... کلاس کا طالبِ علم تھا۔ چھٹی کلاس کے دو ہم عُمر طالبِ علم، ایک ہی کتاب کے دعوے دار تھے۔ کلاس مانیٹر نے یہ مسئلہ اپنے کلاس ٹیچر کے سامنے پیش کیا۔ اُنھوں نے کافی غور و خوض کے بعد ناکامی تسلیم کرتے ہوئے، ہیڈ ماسٹر کے سامنے یہ معاملہ پیش کر دیا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے دونوں بچّوں کو بُلایا۔ باری باری دونوں سے الگ الگ سوال کیے، ڈرایا بھی مگر دونوں میں سے کوئی بھی کتاب کے حق سے دستبردار ہونے پر آمادہ نہ ہُوا۔ جس دُکان سے کتاب خریدی گئی تھی، وہاں سے رابطہ قائم کیا گیا۔ بُک سیلر کو اسکول بُلا کر دونوں بچّے دکھائے گئے کہ وہ اپنے خریدار کو پہچانے... مگر وہ بے چارہ اپنے اصل خریدار کی نشاندہی کرنے سے اس لیے قاصر رہا کہ جس دن یہ کتاب فروخت ہوئی، وہ خود دُکان پر موجود نہیں تھا بلکہ اُس کے بڑے بھائی تھے جو لکھنؤ میں بغرضِ ملازمت مقیم ہیں۔ اُنھوں نے ہی یہ کتاب فروخت کی تھی اور اب وہ لکھنؤ جا چکے تھے۔ اُمید کی یہ کرن بھی جھلملا کر اندھیروں میں گُم ہو گئی۔ سب بہت پریشان تھے۔ اسکول کے سارے اساتذہ

اپنا اپنا ذہن کھپا کر تھک چکے تھے مگر فیصلہ نہیں کر پا رہے تھے کہ کتاب کا اصل مالک کون ہے۔

"تب ہی اسرار کو اس مسئلے کا علم ہوا، وہ ہیڈ ماسٹر کی خدمت میں پہنچے اور اُن سے درخواست کی کہ وہ دونوں دعوے دار بچّوں کی پُورے پُورے بستے ایک دن کے لیے اُن کے حوالے کر دیں۔

"ہیڈ ماسٹر صاحب، اسرار احمد کی اس تجویز پر حیران تو ہوئے مگر وہ خود بھی دل سے چاہتے تھے کہ اس مسئلے کا حل جلد از جلد سامنے آجائے۔ اُنھوں نے چپراسی کو بھیج کر، دونوں بچّوں کے بستے اپنے دفتر میں منگوائے اور اسرار احمد کے حوالے کر دیے۔ اسرار احمد دونوں بستے لے کر وہیں بیٹھ گئے اور کافی دیر تک ایک بستے کی ساری کتابیں اور کاپیاں نکال کر بغور دیکھتے رہے۔ ایک بستہ دیکھ چکنے کے بعد، اُنھوں نے اُسے ہیڈ ماسٹر کے حوالے کر کے کہا۔ "اسے آپ اپنی الماری میں بند کر کے رکھ دیں۔ کل دوسرے بستے کا جائزہ لینے کے بعد پھر فیصلہ کروں گا۔"

"دوسرے دن اسرار نے دوسرے بستے کی کتابوں اور کاپیوں کا جائزہ لیا۔ ابھی وہ پُورا بستہ بھی نہ دیکھ پائے تھے کہ ایک دلفریب مُسکراہٹ اُن کے لبوں پر کھیلنے لگی جسے ہیڈ ماسٹر صاحب نے بھی دیکھ لیا، پوچھا۔ "کیوں میاں! کیا اصلیت کا پتا چل گیا؟"

"اسرار کی مُسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔ جواب میں بولے۔ "جی ہاں، کامیابی ہوئی تو ہے۔ اب آپ دونوں طالب علموں اور اُن کے کلاس ٹیچر کو یہیں بُلا لیں۔"

"لیجئے صاحب! حُکم کی دیر تھی، چپراسی بھیج کر سب کو بُلوا لیا گیا۔ اب ہیڈ ماسٹر صاحب کے کمرے میں جماعت ششم کے دونوں طالب علم، اُن کے کلاس ٹیچر کے علاوہ دوسرے ٹیچرز بھی جمع ہو گئے تھے۔ اُنھیں دلچسپی یہ تھی کہ جس مسئلے کو وہ نہ سُلجھا سکے تھے، دیکھیں، سیکنڈری کلاس کا ایک طالب علم کیسے سُلجھاتا ہے؟

"دونوں طالب علموں میں ایک ہندو تھا اور دوسرا مسلمان۔ ہندو لڑکے کا نام چھیدی لعل اور مسلمان لڑکے کا نام رجب علی تھا۔۔ اسرار نے پہلے چھیدی لعل سے پوچھا۔ "کیوں میاں! یہ کتاب تمہاری ہی ہے؟"

وہ چمک کر بولا۔ "جی جناب! سو فیصد، یہ کتاب میری ہے۔ میں نے فلاں دکان سے خریدی تھی۔"

اب اسرار نے اُس کا بستہ کھولا اور تمام کاپیاں، کتابیں نکال کر سب کو دکھانے کے بعد بولے۔ "دیکھئے، چھیدی لعل کی کتابوں اور کاپیوں پر ہندی اخبار کے کَور چڑھے ہوئے ہیں"۔۔ پھر دو، تین کتابیں کھول کر، اُن پر لگی ہوئی بُک سیلر کی مُہر دکھا کر کہا۔ "یہ ساری کتابیں چھیدی لعل نے اپنے محلّے کے بُک سیلر سے خریدی ہیں۔۔۔ یہاں تک کہ کاپیاں بھی۔" پھر اُنھوں نے رجب علی کے بستے کی کتابیں اور کاپیاں سب کے سامنے نکالیں اور اُنھیں دِکھا کر بولے۔ "دیکھئے، رجب علی کی کتابوں اور کاپیوں پر انگریزی رسالے کے کَور چڑھے ہوئے ہیں اور یہ کتاب جس پر چھیدی لعل کا دعویٰ ہے کہ اُس کی ہے، اس پر بھی انگریزی رسالے کا کَور چڑھا ہوا ہے۔ یہ کَور، رجب علی کی کتابوں کے کَور سے تو ملتا ہے لیکن چھیدی لعل کی کتابوں کے کَور سے نہیں۔" پھر اُنھوں نے چھٹی کلاس کے ٹیچر سے، جو خود بھی ہندو تھے، کہا کہ وہ چھیدی لعل سے معلوم کریں کہ اگر یہ کتاب اُس کی ہے تو یہ کَور جو کتاب پر چڑھا ہوا ہے، اُس نے کہاں سے حاصل کیا؟ اور یہ کہ اُس نے دوسری کاپیوں اور کتابوں کی طرح اس کتاب پر بھی ہندی اخبار کا کَور کیوں نہیں چڑھایا؟۔۔۔ دوسری بات یہ معلوم کریں کہ چھیدی لعل نے جب اپنی ساری کتابیں اور کاپیاں، اپنے محلّے کے ہندو دُکان دار سے خریدی ہیں تو صرف یہ ایک کتاب مُسلمان محلّے کے مُسلم بُک سیلر سے کیوں خریدی؟ اسرار کی باتیں سُن کر سب ہی عش عش کر اُٹھے۔

چھیدی لعل احساسِ شرم سے پسینے میں نہا گیا۔ اُس کی زبان گُنگ ہو گئی، مُنہ سے ایک لفظ بھی نہ کہہ سکا۔

ہیڈ ماسٹر صاحب نے دوسرے ٹیچروں کے باہمی مشورے سے وہ کتاب، رجب علی کو دلوا دی۔۔۔ پھر چھیدی لعل نے خود بھی اعتراف کر لیا کہ واقعی اُس کا دعویٰ غلط تھا اور اُس نے یہ سمجھ کر، کہ رجب علی کی کتاب پر اُس کا نام تو لکھا ہوا ہے نہیں، وہ اسے ہتھیانے میں کامیاب ہو جائے گا۔"

تو ایسے ذہین تھے، اسرار ماموں۔ بچپن میں بھی اُنھوں نے وہ کام چٹکیوں میں کر دِکھایا جس سے بڑے عاجز آ گئے تھے۔ خُدا غریقِ رحمت کرے اور اُنھیں کروٹ کروٹ جنّت نصیب کرے۔ وہ صرف ایک انسان ہی نہیں، اپنی ذات میں ایک انجمن بھی تھے۔

جاسُوسی ادب میں اُنھوں نے اپنی محنت، ذہانت اور لگن سے جو مقام حاصل کیا ہے، اُس میں وقت کے ساتھ ساتھ اضافہ ہو گا۔۔۔ اور اردو ادب میں جاسُوسی ادب کے حوالے اور اضافے سے اُنھیں ایک طویل مدّت تک یاد رکھا جائے گا۔